

صفحہ..... پہلی اسلامی درس گاہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا آفتاب جس قوم میں طلوع ہوا، وہ ایک ”اُمی“ قوم تھی۔ ”اُمی“ اسے کہتے ہیں جو لکھنا اور لکھی ہوئی چیز کو پڑھنا نہ جانتی ہو، اس میں شبہ نہیں کہ عربوں میں شعر و سخن اور زبان و ادب کا ایک خدا داد مذاق تھا اور وہ اپنے کلام کے ذریعے مربوط دل کو چھیڑنے، لہو کو گرمانے اور محبوب کے لب و عارض کا نقشہ کھینچنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے، لیکن یہ اشعار اور ادبی سرمایہ زیادہ تر سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتا تھا، وہ اپنے حافظہ سے تحریر کا کام لیتے اور صفحہ مرقطاس کے بجائے صفحہ دل پر نقش کرنے کا اہتمام کرتے تھے، عربوں میں بعض لکھنے پڑھنے والے بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بنو ہاشم کے شعب ابی طالب میں بایناٹ کا واقعہ حدیث و سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، جس میں بایناٹ کا تحریری اعلان غلاف کعبہ کے ساتھ آویزاں کرنے کا ذکر ہے قرآن مجید نے بھی ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ایک مکی تاجر پر جب سفر کی حالت میں موت کا وقت آیا تو اس نے اپنے سامان کی ایک فہرست بنا کر اپنے سامان میں چھپا دی اور سامان رفقاء سفر کے حوالے کر دیا، اسی فہرست نے چوری اور بددیانتی کے راز کو افشاء کیا، (المائدہ: ۱۰۸-۱۰۶)۔ یہ اور اس طرح کے واقعات ظاہر کرتے ہیں کہ عربوں میں تحریر و کتابت کا ذوق موجود تھا، لیکن ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی، بعض اہل علم نے تو لکھا ہے کہ مکہ میں صرف سترہ افراد کو لکھنا آتا تھا۔ ”دخل الاسلام و فی قریش سبعة عشر رجلا کلہم یسکب“ (فتوح البلدان: ۶۱-۶۲)۔ مدینہ کا معاملہ اس سے بھی زیادہ گمراہ تھا، واقدی نے ان لوگوں کے نام ذکر کئے ہیں، جو مدینہ میں لکھنے سے واقف تھے، جن کی تعداد گیارہ سے آگے نہیں بڑھتی۔ (فتوح البلدان: ۶۳-۶۴)۔ گو ان اعداد و شمار پر اعتماد دشوار ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ عرب کا بڑا حصہ جہالت اور ناخواندگی کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں تھا اور نہ صرف علم کی دولت سے محروم تھا، بلکہ علم کی اہمیت، اس کی عظمت اور اس کی ضرورت و افادیت سے بھی نااہل تھا۔

یہ حالات تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی، اس وحی میں شرک کی تردید اور خدا پر ایمان لانے کا

صراحت کے ساتھ ذکر نہیں، ”© rasailojaraid.com“ کا ذکر نہیں، جو ایمان و عمل کا اصل محرک ہے، اس وحی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا اعلان نہیں، جس پر اسلام کی پوری عمارت کھڑی ہے، اس ظلم و جور اور نا اتفاقی کی مذمت نہیں، جو عرب سماج کے مزاج میں داخل ہو گیا تھا اور اس وحی میں ان اخلاقی برائیوں اور پستیوں پر بھی کوئی تنقید نہیں، جن کی اصلاح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی کا مشن بنایا، یہ پہلی وحی انسانیت کو ”تعلیم“ کی طرف متوجہ کرتی ہے، اس میں پہلا لفظ ہی ”اقراء“ کا ہے جس کے معنی ہیں: ”پڑھ“ پھر ان پانچ آیتوں میں دو جگہ تعلیم و تعلم کا ذکر ہے، ایک میں ”قلم“ کے ”ذریعہ تعلیم“ ہونے کی طرف اشارہ فرمایا گیا: ﴿عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ یہ گویا کتابی تعلیم کی دعوت ہے، دوسری جگہ ان علوم کی تحصیل پر متوجہ کیا گیا جو ابھی انسان کی گرفت میں نہیں ہیں اور انسان کی محنت اور اللہ کی مدد سے ہی ان کو حاصل کیا جاسکتا ہے: ﴿عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾ گویا اس میں قیامت تک آنے والے سائنسی علوم اور ایجادات و انکشافات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا، کیوں کہ ”علم“ ہی تمام اعتقادی اور عملی و اخلاقی بیماریوں کا علاج ہے۔

غرض آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں علم کا چراغ بن کر آئے اور اس جہالت کو اپنا نشان بنایا، جس کے سایہ میں برائیاں پنپتی ہیں، اس لئے قرآن مجید نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حیثیت کو زیادہ نمایاں کیا ہے، وہ یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ”معلم“ ہیں اور انسانیت متعلم ﴿يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (آل عمران: ۱۶۴)..... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں یہ پہلو اتنا نمایاں نظر آتا ہے کہ کئی زندگی میں بھی باوجود ہر طرح کی مشکلات اور دشواریوں کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو نظر انداز نہیں فرمایا اور اپنے ایک جاں نثار کے مکان ”دار ارقم“ کو، جو صفا کی چوٹی پر واقع تھا، تعلیمی و تربیتی مرکز بنایا، کئی زندگی کی ابتداء ہی میں نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں میں بھی پڑھنے لکھنے کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، اس کی واضح دلیل حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ ہے، جس میں حضرت عمرؓ کے بہن اور بہنوئی کے قرآن پڑھنے کا ذکر ہے، قرآن کی کچھ سورتیں ان کے پاس لکھی ہوئی صورت میں موجود تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ پڑھنا صرف زبانی ہی نہ تھا، بلکہ کتاب کے ذریعہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہؓ کی ایسی تربیت فرماتے کہ وہ علم کے زیور سے آراستہ ہو کر دوسروں تک بھی علم کی روشنی پہنچاتے، انصار مدینہ کی خواہش پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ بھیجا جو لوگوں کو قرآن پڑھاتے اور علم سے آراستہ کرتے، ”فكان يقرأهم القرآن ويعلمهم“، (طبقات ابن سعد: ۱۱۸/۳، طبروت)..... جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے، ان میں علم کی طلب پیدا ہو جاتی، مدینہ میں ابھی کچھ ہی لوگ مشرب بہ اسلام ہوئے تھے اور حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی مدینہ تشریف بھی نہ لائے تھے کہ مدینہ سے حضرت رافع بن مالکؓ انصاریؓ آستانہ نبوت پر حاضر ہوتے ہیں اور قرآن کی تعلیم حاصل کر کے واپس ہوتے ہیں تاکہ اہل مدینہ تک علم کی یہ امانت پہنچا سکیں۔ (التراتب الاداریہ: ۴۴۱)

مدینہ ہجرت فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اولین کام یہی کیا کہ مسجد نبویؐ کی تعمیر فرمائی اور اسی مسجد سے

متصل ایک ”چوترا“، تعلیمی مقصد کے لئے بنایا گیا ہے۔
 غیر مقیم طلبہ بھی تعلیم حاصل کرتے تھے اور دارالافتاء کا بھی نظم تھا، اس درگاہ میں حالات و مواقع اور واردین کی بڑھتی گھٹتی تعداد کے لحاظ سے طلبہ کی تعداد کم و بیش ہوتی رہتی تھی، بعض حضرات کا خیال ہے کہ چار سو طلبہ نے بحیثیت مجموعی اس درگاہ سے استفادہ کیا تھا اور قنادیہ کی رائے ہے کہ مدرسہ صفہ سے مستفیدین کی تعداد نو سو تک پہنچتی ہے۔ (التراتب الاداریہ: ۳۴۰/۱)

اس درس گاہ کے نصاب تعلیم کا موضوع قرآن مجید اور احکام کی تعلیم تھی، لیکن اس کے علاوہ تحریر و کتابت پر بھی پوری توجہ دی جاتی تھی، جس کی عرب کے اس معاشرہ میں بڑی اہمیت تھی، حضرت عبداللہ بن سعید بن عاص انصاریؓ جو غزوہ بدر میں شہید ہو گئے تھے، اچھے کاتب تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کتابت سکھانے پر مامور فرمایا تھا، (الاصابہ: ۱۷۷/۱)..... علم و حکمت کے حصول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و مذہب کے اختلاف کو بھی رکاوٹ نہیں بننے دیا، چنانچہ غزوہ بدر میں جو مشرکین قید ہو کر آئے، ان میں جو لوگ کتابت سے واقف تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہی مقرر فرمایا کہ وہ مسلمان بچوں کو لکھنا پڑھنا سیکھائیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ”علم“ کو یہ عظمت عطا فرمائی کہ اسے خرید و فروخت کی جانے والی شئی قرار نہیں دیا، بلکہ اسے عبادت کا درجہ دیا، جسے خالصتاً اللہ کی خوشنوی اور خلق اللہ کی خدمت کے جذبے سے دوسروں تک پہنچایا جائے اور اسے سامان تجارت نہ بنایا جائے، حضرت ابی کے ایک شاگرد نے ایک کمان تفتتا پیش کی، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں دریافت کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے یہ کمان لی تو گویا آگ کی کمان بن گئی کی۔ (بیہقی: ۱۲۶/۶)..... اس لئے جو اساتذہ اس درگاہ میں خدمت پر مامور تھے، وہ فی سبیل اللہ خدمت کرتے تھے۔

جو طلبہ ”صفہ“ میں مقیم تھے، اہل مدینہ ان کے کھانے کا نظم کرتے تھے اور ان کو اپنا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان سمجھ کر ان کے ساتھ خوب اکرام کا معاملہ فرماتے تھے، ان کے طعام کا نظم و طریقوں پر ہوتا، اول یہ کہ خود صفہ میں کھانے کی چیز پہنچادی جاتی، چوں کہ عربوں کی عام غذا کھجور تھی، اس لئے کھجور کے خوشے صفہ کے ستونوں سے لٹکا دیئے جاتے، حضرت معاذ بن جبلؓ کے بارے میں مروی ہے کہ دوستوں کے درمیان رسی باندھ کر اسی رسی سے کھجور کے خوشے لٹکا دیئے، (التراتب الاداریہ: ۳۷۵/۱)..... دوسرا طریقہ یہ تھا کہ لوگ کچھ طلبہ کو اپنے گھر لے جاتے اور ان کو کھانا کھلاتے، ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جس کے پاس دو اشخاص کے کھانے ہوں، وہ اپنے ساتھ تیسرے مہمان کو لے جائے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ دس طلبہ کو لے گئے، (مسند احمد: ۱۹۷/۱)..... حضرت سعد بن عبادہؓ کا مکان اہل صفہ کے لئے گویا سب سے بڑا مہمان خانہ تھا، ابن سیرین کی روایت ہے کہ سعد بن عبادہ ہر شب اسی (۸۰) طلبہ کو اپنے یہاں شب کا کھانا کھلاتے تھے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۲۰۰/۱)..... اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عام طور پر دارالافتاء میں طلبہ کی تعداد اسی (۸۰) سے کم نہ ہوتی تھی۔

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل طہارہ کے قیام کے بعد صلی اللہ علیہ وسلم غافل نہ رہتے تھے اور کھانے کے معیار پر بھی نظر رکھتے تھے، ایک بار آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، دست مبارک میں عصا تھا اور کھجور کا ایک خوشہ لٹکا ہوا تھا، یہ کھجور اچھی نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھی سے اس خوشہ کو مارا اور فرمایا کہ اگر یہ شخص چاہتا تو اس سے بہتر کھجور بھی دے سکتا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: قیامت کے دن یہ بھی ایسا ہی معمولی کھجور کھائے گا۔ (ابوداؤد: حدیث نمبر: ۱۶۰۸)

اس درگاہ سے نہ صرف واردین استفادہ کرتے، بلکہ دور دراز کے علاقوں میں تعلیمی اغراض کے تحت درس گاہ کے فضلاء اور تربیت یافتگان بھیجے بھی جاتے، اسے ”گشتی نظام تعلیم“ سے بھی تعبیر کیا جاسکتا ہے، چنانچہ حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ کچھ لوگوں نے قرآن و سنت کی تعلیم کے لئے کچھ لوگوں کو بھیجنے کی درخواست کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر انصار کو اس خدمت کے لئے روانہ فرمایا، یہ لوگ ”قراء“ کہلاتے تھے، انہیں میں میرے ماموں حرامؓ بھی تھے، یہ حضرات رات میں تعلیم حاصل کرتے اور اس کا مذاکرہ کرتے تھے اور دن میں مسجد میں پانی لا کر رکھتے اور لکڑی کاٹ کر لاتے، جسے فروخت کر کے اہل صفہ کے لئے کھانے کا نظم کیا جاتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو بھیجا، یہ مشہور واقعہ ہے، جو ”معونہ“ کے نام سے معروف ہے اور جن میں ان حضرات کو دھوکہ دے کر شہید کر دیا گیا، (دیکھئے: طبقات ابن سعد: ۳/۱۷۱)..... اسی طرح کے بعض اور نوذہبی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دور دراز علاقوں میں بھیجے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ”صفہ“ میں ”شبینہ تعلیم“ کا نظم تھا، تا کہ مشغول اور متاہل افراد بھی استفادہ کر سکیں، نیز یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ جیسے آج کل ”عالم“ اور ”فاضل“ وغیرہ سے سندیں موسوم ہیں، اس زمانہ میں جو لوگ تعلیم حاصل کر لیتے تھے، ”گشتی“ کہلاتے تھے، کیوں کہ ان کی تعلیم کا بنیادی حصہ قرآن مجید کا پڑھنا پڑھانا ہوتا تھا۔

مدینہ میں صفہ کی اس درس گاہ کے علاوہ بعض اور مکاتب اور چھوٹی درس گاہیں بھی تھیں، حضرت خرمہ بن نوفلؓ کا مکان تو ”دارالقرآن“ ہی سے معروف تھا اور یہاں بھی درس کا ایک نظام قائم تھا، حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ غزوہ بدر کے کچھ ہی بعد تشریف لائے تو اسی ”دارالقرآن“ میں مقیم ہوئے، (طبقات ابن سعد: ۳/۱۵۰)..... اس سے ظاہر ہے کہ یہاں حدودِ مدینہ ہی پر سہی طلبہ کے قیام کا نظم بھی تھا، لیکن بہر حال مرکزی حیثیت ”اسی درس گاہ صفہ“ کو حاصل تھی۔

یہی اولین درس گاہ ہے کہ دنیا میں جتنی دینی درس گاہیں آج تعلیم و تعلم کا فریضہ انجام دے رہی ہیں، یہ ان کا اصل سرچشمہ ہے، بلکہ ایک دینی تعلیم ہی پر منحصر نہیں، بلکہ یہی ہر علم نافع کا منبع ہے، جس کی بنیاد ایک نبی اُمی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہاتھوں پڑی تھی اور جس کی فضاء سے مشرق و مغرب اور شمال و جنوب غرض دنیا کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک تمام دانش گاہیں روشنی حاصل کر رہی ہیں اور اس کی عالم تاب کرنوں سے ذرہ ذرہ منور ہے..... صد لاکھ سلام ہو اس درس گاہ کے معلم اول پر اور ان کے رفقاء عالی مقام پر!!

☆☆